انتظار حسین کی افسانہ نگاری

انتظار حسین کی جائے پیدائش، ڈبائی، ضلع بلند شہر ہے۔ وہ یہیں 7 دسمبر 1923ء کو پیدا ہوئے۔ انتظار حسین نے تعلیم میرٹھ میں حاصل کی۔ اور تقسیم کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے، اور وہیں پر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ انتظار حسین اُردو افسانے کی ایک اہم اور مضبوط کڑی ہے۔ انہوں نے جس زمانے میں اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا وہ شکست و ریخت کا دور تھا ایک طرف تقسیمِ ہند کا المیہ پورے زوروں پر تھا تو دوسرے طرف ترقی پسند تحریک کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ لیکن انتظار حسین نے نہ صرف ترقی پسند تحریک کے اصولوں کی زنجیر کو توڑا بلکہ ایک نئے رجحان یعنی جدیدیت کے تحت اپنے افسانے کے پیچ وخم کو سنوارنے کی کوشش کی۔ بیسویں صدی کے پانچویں دہائی میں انہوں نے ایک افسانہ ''قیوما کی دکان'' کے ساتھ اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا اور ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''گلی کوچے'' منظرِ عام پر آیا۔

انتظار حسین ایک ایسے فنکار ہیں جنہوں نے اپنے منفرد اسلوبِ بیان کے ذریعے اُردو افسانے کو ایک وسعت عطا کی۔ ان کی جہت وافکار کو سمجھنا عام قاری کے لئے بہت ہی دشوار ہو جاتا ہے انہوں نے ایک ایسا فنکارانہ اسلوب یا پیرایۂ اظہار اختیار کیا جس کی وجہ سے ان کا افسانہ باذوق قاری کی تلقین کرتا ہے۔ انہوں نے مغربی ہیئتوں کی وجہ سے اردو فکشن کو نئے رنگوں میں رنگنے کی کوشش کی لیکن ان ہیئتوں کو انہوں نے جوں کا توں استعمال نہیں کیا بلکہ مشرقی سانچوں کے ذریعے اُردو افسانے کو ایک نئی ڈگر پر لاکر کھڑا کر دیا۔ علامتی واستعاراتی، داستانوی، اساطیری، دیومالایائی اسلوب سے افسانے کو مغرب کے جدید افسانے کے مقابل میں کھڑا کر دیا۔

انتظار حسین اپنے ہمعصر افسانہ نگاروں میں ایک ایسے تخلیق کار ہیں جنہوں نے اپنے اسلوب وبیان کی وجہ سے افسانے کا رشتہ داستانوں، اساطیر اور جاتک کتھاؤں سے جوڑنے کی کوشش کی ہے انہوں نے حقیقت میں قدیم ہندوستانی حکایات کو نئے طرز اور نئے انداز کے تحت جدید رجحان کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

تحقیق نگار اس بات پر متفق ہیں کہ انتظار حسین کا مطالعہ بہت وسیع تھا انہیں روایت پر خاصی دسترس حاصل تھی قرآن شریف، احادیث مبارک، صوفیائے کرام کے ملفوظات، جاتک کتھا، رامائن، بدھ مت وغیرہ پر انہیں گہری نظر تھی اور ساتھ ہی ساتھ انہیں مغربی مفکرین کا مطالعہ بھی تھا خاص طور پر چیخوف اور کافکا کا اثر ان کے افسانوں میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے انہوں نے کافکا کو اُردو میں ترجمہ کیا۔

انتظار حسین کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ تقسیم ہند تھا جو بعد میں ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع رہا۔ ہندوستان سے پاکستان چلے جانے کے بعد انہیں اس بات کا صدمہ مرتے دم تک رہا ہے کہ ملک کیوں کر تقسیم ہوا انہیں اپنے اسلاف اور جد واجداد

کی وراثت سے کٹ جانے کا غم کھائے جارہا تھا۔ پاکستان میں رہ کر بھی ان کی افسانوی فضا میں ہندوستان کے کھیت کھلیان رقص کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہجرت کا کرب ان کے افسانوں کا بنیادی موضوع رہا ہے اس نوعیت کے افسانوں میں ہندوستان سے ایک خط، نرناری، وہ جو کھوئے گئے، شہر افسوس وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ تقسیم نے نہ صرف ہندوستان اور پاکستان کو الگ الگ کیا بلکہ دلوں کے درمیان بھی دوریاں پیدا کر دی، انسان انسانیت کا دشمن بن گیا یعنی ہر طرح کا ظلم و ستم عام تھا اسی نوعیت کا ایک افسانہ ''ہندوستان سے ایک خط'' میں افسانہ نگار نے ایک ایسے خاندان کا نقشہ کھینچا ہے جو تقسیم کے دوران پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش یعنی تین حصوں میں بٹ جاتا ہے یہاں مثال کے طور پر افسانے کے چند سطور پیش ہیں:

> ''اب جبکہ بڑوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے اور ہمارا خاندان ہندوستان اور پاکستان اور بنگلہ دیش میں بٹ کر بکھر گیا ہے اور میں لبِ گور بیٹھا ہوں، سوچتا ہوں کہ میرے پاس جو امانت ہے اسے تم تک منتقل کر دوں کہ اب تم ہی اس خاندان کے بڑے ہو۔''

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کس طرح سے تقسیم نے ایک خاندان کو تین جگہوں پر منتقل ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔

انتظار حسین کی افسانہ نگاری کا ایک اہم پہلو ماضی کی بازیافت بھی ہے۔ انہین ماضی سے گہرا لگاؤ تھا۔ انہوں نے روایت سے خام مواد جمع کرکے نئے افسانے کو مستحکم بنانے کی کوشش کی ہے ان کے نزدیک انسان حال کو اپنے ماضی کے ذریعے بسر کرتا ہے، انہیں ماضی سے محبت تھی اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دورِ عتیق میں انسان اور اس کا معاشرہ ان پیچیدگیوں کا حامل نہیں تھا جو عصر حاضر کے صنعتی کلچر کی پیداوار ہیں۔ انتظار حسین اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ عصر حاضر کا انسان شخص ایوان کھو چکا ہے اور اس کی شناخت اور بحالی کے لیے اس سے ماضی میں لے جانا ضروری ہے۔

انتظار حسین کو روایت اور اسلاف سے محبت تھی انہیں سماجی بکھراو، ماضی سے کٹ جانے کا غم، قدروں کی پامالی، شکست وریخت سے دل بھر گیا ہے اور یہی وجہ تھی وہ روایت میں کھو جانے کی کوشش کرتا ہے انہوں نے خاص طور پر اسلامی روایت کو کھنگالنے کی از حد کوشش کی جس کا اندازہ افسانہ ''کشتی'' سے ہوتا ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے حضرت نوحؑ اور اس کے قوم کی داستان کو اپنے لب و لہجے کے تحت ایک منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

> ''حضرت نے بیٹے کی بات سن کر کہا کہ اے مرے بیٹے دیکھ یہ قہر کا دن ہے۔ سو انسان حیوان سب ایک کشتی میں سوار ہیں کہ طوفان بے امان ہے اور زندگی کی ضمانت اس کشتی کے سوا کہیں نہیں ہے۔''

انتظار حسین بار بار اپنے قارئیں کو ماضی کی طرف لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے انہیں اس بات کا یقین تھا کہ موجودہ مسائل اور بربادی کا حل ماضی میں چھپا ہوا ہے اس لیے ان کی افسانوں میں ماضی کی بازگشت کا پہلو بھی نمایاں ہیں۔

انتظار حسین کے تخلیقی جہت کو ہم چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی اوّل معاشرتی یادوں کی کہانی، دوم انسان کے اخلاق کی روحانی زوال اور وجودی مسائل کی کہانیاں، سوم سماجی و سیاسی مسائل کی کہانیاں اور چہارم نفسیاتی کہانیاں و دیومالائی کہانیاں۔ ان

کے یہاں موضوعات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ کہیں ان کے یہاں ہجرت کا کرب، علیحید گی، اجنبیت، افسردگی، بے گانگی، کرب و اضطراب، مشینی اور صنعتی نظام، قدروں کی پامالی، سماجی بکھراؤ، استحصال، شکست وریخت، حالات کا جبر وغیرہ جیسے موضوعات در آئے ہیں۔

انتظار حسین نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی وہ تحریکات ورجحانات کا دور تھا۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک سے مابعد جدید دور تک کا سفر بڑے ہی منفرد انداز میں طے کیا لیکن انھوں نے اپنا ایک الگ اور نیا انداز اپنا کر افسانے کو بہت آگے لے لیا۔ ان کا ڈکشن ہمارے داستانوں، جاتک کتھاوؤں، رام لیلا، اساطیر سے سفر کرتے ہوئے عصر حاضر کے موضوعات میں ہم آہنگ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ موجودہ انسان اس صارفیت کے دور میں ایک مشین کا رول نبھا رہا ہے۔ وہ اپنی میراث سے کوسوں دور بھاگتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لیے کبھی وہ اسے زرد کتا کا نام دیتا ہے اور کبھی آخری آدمی کہہ کر پکارتا ہے۔ انہوں نے داستانوی اسلوب کو پھر سے بیدار کیا اور کہانی کی سنانے جانے والی روایت کا از سرنو اضافہ کیا ہے ان کے نزدیک فرد کی پہچان تاریخ اور تہذیب کے حوالے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

انہوں نے انسان کے اخلاقی اور روحانی زوال کو اپنے افسانوی انداز میں آخری آدمی اور زرد کتا جیسے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ آخری آدمی کا موضوع انہوں نے قرآن شریف سے اخذ کیا ہے یعنی سورۃ اعراف اور سورۃ البقرہ سے مستعار لیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی یہ آیت (ترجمہ) ''پھر تمہیں قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا ہم نے انہیں کہہ دیا کہ بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار پھٹکار پڑے۔ آیت نمبر ۶۵)

'آخری آدمی' کا خام مواد اسلوب و بیان اور ماحول یقیناً انہوں نے آسمانی صحائف سے مستعار لیا ہے۔ افسانہ آخری آدمی میں انہوں نے عصر حاضر کے انسان کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آپ سے پہلے بھی امتیں گزریں ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کبھی دھوکا کیا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جیسے قوم موسیٰؑ، قوم عود، قوم سمود اور قوم نوحؑ وغیرہ ۔اس افسانے کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کو کس حد تک فن پر دسترس حاصل ہے اور کس طرح سے انہوں نے عربی لب ولہجہ کو اپنے انداز اور جدید تر تکنیک کے حوالے سے اپنی روایت کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ملانے کی کوشش کی۔

اسی نوعیت کا دوسرا افسانہ 'زرد کتا' ہے جس میں انہوں نے صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تعلیمات کے ذریعے انسان کے روحانی زوال کو علامتی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا بنیادی موضوع باطنی زوال ہے۔ اور اس دور کے روحانی مسائل کو صوفیا کے تعلیمات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''یا شیخ قوت پرواز آپ کو کیسے حاصل ہوئی؟

فرمایا: عثمان نے طمع دنیا سے منہ موڑ لیا اور پستی سے اوپر اٹھ گیا۔

عرض کیا: یا شیخ طمع دنیا کیا ہے؟

فرمایا: طمع دنیا تیرا نفس ہے۔

عرض کیا: نفس کیا ہے؟

اس پر آپ نے یہ قصہ سنایا۔۔۔

پوچھا: یا شیخ زرد کتا کیا ہے؟

فرمایا: زرد کتا تیرا نفس ہے۔

میں نے پوچھا: یا شیخ نفس کیا ہے؟

فرمایا: طمع دنیا"

انتظار حسین کی انفرادیت اس بات سے بھی ہے کہ انہوں نے ہند اسلامی تہذیب کو اپنے افسانوں میں پرونے کی کوشش کی۔ ان کا نقطۂ نظر کافی وسیع اور گہرا تھا۔ وہ انسان کے خارجی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے نہاں خانوں میں بھی سفر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ اس طرح سے کہانی کا تانا بانا بنتے ہیں کہ خارجی سطح پر کوئی عام کہانی معلوم ہوتی ہے لیکن اندرونی سطح پر ایک عظیم ماضی کے تسلسل کے اظہار کی داستان معلوم ہوتی ہے۔ ان کے تمثیلی اور علامتی انداز کو معنی کی تکثیریت حاصل ہے۔ ان کی فنی نفرادیت سے متعلق گوپی چند نارنگ یوں رقمطراز ہیں:

"انتظار حسین کا فن آج کے کھوئے انسان یقین کی تلاش کا فن اس لیے ہے تاکہ مستقبل کا انسان اپنی آگہی حاصل کر سکے اور اپنی زات کو برقرار رکھ سکے۔ اس کے لیے انہیں پرانے عہد نامے، انجیل، قصص الانبیا، دیو مالا، بودھ جاتکا، پرانوں، داستانوں اور صوفیا کے ملفوظات سب سے استفادہ کرنا پڑا ہے اور نتیجتاً ایسا انداز اظہار وجود میں آیا جو خاص ان کا اپنا ہے۔"

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انتظار حسین اپنے آپ میں ایک تحریک ہیں، جس نے اپنے منفرد اسلوب، ہئیت اور تکنیک کے ذریعے اُردو فکشن کو ایک نئی روش عطا کی اور جدید اور مابعد جدید افسانہ جن تقاضوں کی تلقین کرتا ہے اس سب کو انہوں نے بخوبی نبھانے کی کوشش کی ہے۔ نئی صورت حال کے پیچیدہ اور غیر رسمی روایتی موضوعات اور مسائل کا اظہار اپنے منفرد لب و لہجہ کے مطابق ڈھال دیا۔ روایت نے اظہار و بیان کے جو سانچے فراہم کئے تھے وہ امجب ن نھیں فرسودہ نظر آئے۔ اس لیے انہوں نے اپنا ایک نیا انداز بیان ایجاد کیا جس کی وجہ سے وہ ادبی دنیا میں ایک انفرادیت حاصل کر گئے۔

2 فروری 2016 کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔